Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Year 2022; Vol 01 (Issue 02)
PP. 06-16 https://journals.gscwu.edu.pk/

ڈاکٹر عمران ازفر

پروفیسر، یونیورسٹی آف سرگودھا

Dr Imran Azfar

Prof, University of Sargodha

لسانی تشکیلات اور تمثال کاری کی تحریک اشتراک و اختلاف کی کہانی

The movement of linguistic formations and representation is a story of collaboration and disagreement

Abstract

Lisani Tashkeelati Tehreek was a prominent literary activity, which was presented by Iftekhar Jalib and other writers in early 60's. The common perception is that Lisani Tashkeelati Tehreek was adopted from imagist movement of Ezra pound and his friend poet's. Imagist movement was presented in 1908 by Ezra. In this movement he claims new poetic language for modern life cycle continuing in Britain and Europe. Ezra ask English poet to avoid romantic poetry and create images of his real life. In Urdu Lisaani Tashkeelati Tehreek claims that poetic language presented by Urdu poets is worth less. It can't create the real pictures of modern life that's why Iftekhar Jalib says that new Urdu poet should use new words, new images and brutal death pictures in his poetry. These two literary movement are different but imagism produced some good litreture in the form of poetry but Iftekhar and his friends couldn't. This article argues about the theory of these two and try to present the real picture of both. It can help to know about the different poetical movements presented in Urdu poetry in last 50 years.

Key words: Lisaniyat, Tehreek, Ezra, Poet, Poetry, Iftekhar Jalib, Tashkeelat.

گزشتہ دو صدیوں کے دوران برپا ہونے والی سماجی اتھل پتھل، جنگی تباہ کاری اور سائنسی ترقی نے انسانی زندگی پر کئی طرح کے اثرات مرتب کیے ہیں سماجی، معاشی تفاعل میں ہونے والے روز افزوں بدلاؤ نے حیاتِ انسانی کی انفرادی اور اجتماعی حالتوں پر کئی طرح سے وار کیے اس نئی سائنسی

ترتیب نے انسان کے جینے کے ڈھب میں تبدیلی کی تو اس کے سوچنے کے طریقے پر بھی اثرانداز ہوئی، یہی سبب ہے کہ کلاسیکی زمانے کا انسان اور آج کا انسان اپنی ظاہری وضع قطع اور فکری اظہار کی ذیل میں بالکل مختلف ہیں بلکہ ان کے مابین طرفین کا بُعد موجود ہے ایسی ہی صورت جدید زمانے میں پہنچتے ادیب کو درپیش رہی جس کا ماضی قریب راج دربار، بادشاہ اور قصیدے کے دائرے کی تکمیل سے مکمل ہوتا ہے ایک طرح کا سکوت دلبریِ اور فطرت پرستی اس کے شب و روز کا خاصہ رہی مگر اب کے ایسا نہیں ہونے والا تھا چمنی کے دہانے سے پھوٹتے دھوئیں اور تیز رفتاری پر دوڑتے پہیوں نے انسانی مزاج کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر گہرے اثرات مرتب کیے تو تخلیق کار، شاعر، ادیب بھی اس بدلتی سماجی نفسیات کی زد سے محفوظ نہ رہے اس نئی دنیا کے ادیب کو اپنے روائیتی مدار سے نکل کر نئی دنیا کے سجاؤ کو خوش آمدید کہنا پڑا، چونکہ سائنس کے بیش تر شعبہ جات کا براہ راست تعلق انسان اور اس کی سیاسی سماجی زندگی کے ساتھ ہے اس لیے تخلیق کار کے لیے ضروری ہوا کہ وہ انسانی زندگی پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے مختلف اثرات کو تخلیقی پیرائے میں بیان کرے اس سارے عمل میں زبان بطور بنیادی آلہ اپنا کردار ادا کرتی ہے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی میں منظرعام پر آنے والی مختلف تحریکوں نے زبان کے تخلیقی استعمال کو بالخصوص اپنے ڈسکورس کا حصہ بنایا زبان کے اسی وظیفہ کے باب میں محمد ہادی حسین، پال ویلری کے مضمون "دی آرٹ آف پوئٹری" کے الفاظ کو اس طرح سے لکھتے ہیں:

> "شاعری کا آلہ زبان ہے اس لیے تمام فنون لطیفہ میں شاعری ایک ایسا فن ہے جس کا دامن زبان بولنے والوں یعنی جمہور کے ساتھ استوار بندھا ہوتا ہے ایک مصور، ایک مجسمہ ساز، ایک مغنی دوسرے ملکوں کے عوام تک رسائی رکھتا ہے کیوں کہ اس کی تخلیقات اس کے ملک کی سرحدوں سے باہر بھی سمجھی جاسکتی ہیں لیکن ایک شاعر کے کلام کو صرف اس کی زبان کے بولنے والے پوری گہرائی اور پوری ہمدردی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں"۔(1)

زبان اس قدر اہم شعری آلہ ہے کہ اس کی قوت کے بنا تخلیق کار بالخصوص شاعر اپنا مدعا قاری / سامع تک نہیں پہنچا سکتا حالانک مصوری اور موسیقی سمیت کئی فنونِ لطیفہ میں یہ اصول اس طور پر لاگو نہیں ہوتا جس شدت کے ساتھ یہ شاعری کے لیے ضروری ہے یہ زبان ہی کا اثر ہے کہ نذر محمد راشد جیسا اعلیٰ، سماجی زندگی کے متفرق تمثال کا بہترین پیش کار شاعر، عوام میں وہ قبولیت حاصل نہیں کر سکا جو فیض و جالب کے حصے میں آئی کیونکہ جالب کی زبان عوام کے روزمرہ کے عین مطابق اور اسی درجہ پر کھڑے ہونے کے سبب سے عوام کے لیے تیزی سے قابل قبول تھی جبکہ فیض نے کلاسیکی غزل کے آہنگ سے مستفید ہو کر زبان کے ادبی پہلو کو عوامی شعور کے اطراف تخلیق کیا،اس طرح فیض کی نظم میں وہ اجنبیت اور ادق پن موجود نہیں جس کا شکوہ راشد کی نظم کے حوالے سے قاری کرتا ہے اور یوں زبان کا یہ فرق شاعر کے پورے تخلیقی مچار پر حاوی ہو کر، اس کے اور عوام کے درمیان تعلق کی وجہ بن جاتا ہے خواہ یہ تعلق انسیت کی بنیاد پر ہو یا اجنبیت کی اساس پر نذر محمد راشد کی نظمیں پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا کہ یہ کوئی معجزہ ہیں جن میں انسان نہیں بلکہ ایک تخلیق کار بولتا ہے، سانس لیتا ہے اور اپنے سننے پڑھنے والوں کو اس تجربے میں شریک بناتا چلا جاتا ہے مگر زبان میں موجود ادق پن اور عوامی شعور سے دوری ان نظموں کے رچاؤ پر اثرانداز ہوتی ہے جس کے سبب سے اس زبان اور اس کے قاری میں خلیج حائل ہو جاتی ہے۔

ایسا ہی معاملہ لسانی تشکیلات / نئی نظم کی تحریک کے حوالے سے پیش آیا جب افتخار جالب اور اس کے ساتھی شعرا مروج زبان کی اساس پر سوال اٹھاتے ہیں اور شاعرانہ زبان میں بدلاؤ کا تقاضا کرتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ عوامی شعور اور ان کی علمی قابلیت کے مطابق نئی بوطیقا تخلیق کرتے، انہوں نے اس کے بالکل برعکس ایسی زبان اور علامتیں استعمال کیں جو عام آدمی کے لیے قابل قبول نہیں تھیں، جیلانی کامران کی ہم جلیسی میں افتخار جالب نے شاعری کی مروج زبان پر اعتراض کیا ان شعرا کے ہاں زندگی کے جبر اور ذات کے ابتلاء کا احساس پوری شدت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

پہلے مرحلے پر ہم لسانی تشکیلات کی تحریک کی فکری اساس اور نظریاتی پیراڈائم کے بارے میں ڈسکورس قائم کرتے ہیں تاکہ اس تحریک کی بنیادی اکائی کو سامنے رکھ کر مضمون کی مجموعی تشکیل کو ممکن بنایا جاسکے۔

لسانی تشکیلات کی تحریک کے حوالے سے اس کے بنیاد گزار افتخار جالب لکھتے ہیں:

> "لسانی تشکیلات زبان کے تمام ذرائع سے فرداً فرداً تعرض کر کے انہیں آج کل کے سطحی اور اکہرے لسانی تار و پود میں ضم کرنے کا وسیلہ بھی ہیں لسانی تشکیلات کے یہ دو وظیفے ذہنی اور جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ نئی دریافتوں کے سلسلے میں مخصوص ژرف بینی کی تحصیل میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں؛ ہو بھی رہے ہیں اب تک کی نظریہ سازی اس امر پر مرکوز رہی ہے کہ وہ ادب پارے جن میں نئے اور عظیم موضوعات موجود ہوں بہت سے مسائل سے بری الزمہ ہوتے ہیں"۔(2)

تعارض / تعرض اردو لغات (3) کے مطابق دو اشیاء کا ایک دوسرے سے مقابل ہونا مراد ہے افتخار جالب کے مطابق لسانی تشکیلات زبان کے متفرق ذرائع کے باہم تبادلے اور اس عمل میں اکائی اکائی ایک دوسرے کے ساتھ رد و قبول کے عمل سے گزرنا ہے کہ یوں زبان شاعر اور قاری کے درمیان موجود ذہنی اور جذباتی وابستگی کو باہم مربوط کرتا ہے لسانی تشکیلات کی تحریک میں افتخار جالب کی کتاب "لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر" اور ان ہی کی مرتبہ "نئی شاعری" انیس ناگی کی "شعری لسانیات" اور "نیا شعری افق" اہم ترین متون میں سے ایک ہیں اس موضوع پر شمس الرحمن فاروقی نے "نئے نام" اور رسالہ "شب خون" کے توسل سے اپنے نظریات کا اظہار کیا تو جیلانی کامران کی کتاب "نئی نظم کے تقاضے" اپنی سطح پر اہم متن ہے سید سجاد حیدر کی مرتبہ کتاب "نئی نظمیں" اور خود افتخار جالب کی مرتبہ انتھالوجی "نئی شاعری" جبکہ سلیم احمد، تبسم کاشمیری، سہیل احمد خان، سعادت سعید، فہیم جوزی کے مضامین نے اس موضوع پر خوب کھل کر لکھا، جن کی مدد سے اس تحریک کے نظری دوائر اور اطلاقی صورت حال کو سمجھا جاسکتا ہے اسی زمانے میں لگ بھگ سو صفحات پر مشتمل قمر جمیل کی کتاب "نثری نظم" نے بھی خود ہلچل مچائی، لگ بھگ سو صفحات پر مبنی یہ کتاب 1979 میں کراچی سے شائع ہوئی عمومی خیال یہ ہے کہ لسانی تشکیلات کی تحریک کسی سطح ایذرا پاؤنڈ اور اس کے ساتھی شعرا کی تحریک تمثال کاری سے متاثرہ دکھائی

دیتی ہے لیکن بغور مطالعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس تحریک کا ہدف براہ راست راشد اور ان کی نسل کے نمائندہ شعری متون پر انگشت اعتراض بلند کرنا ہے فکری سطح پر اس تحریک کا جوہر ایک نکتہ پر مرکوز نہیں بلکہ یہ ایک طرح کی کئی وجوہات سے تعمیر شدہ ایسی نظری کہانی ہے جو ایک جانب نقاد کی تربیت کرتی ہے تو دوسری جانب تخلیق کار کو راہ سُجھاتی ہے کہ یہی پہلو اس تحریک کو ایذرا پاؤنڈ کی تمثال کاری کی تحریک کے قریب لے جاتا ہے ایذرا پاؤنڈ بھی اپنے شعرا سے زبان میں رد و بدل کا تقاضا کرتا ہے مگر اس کے ہاں زبان کی تبدیلی سے مراد شعری زبان کو عام روزمرہ کی زبان سے قریب لانا ہے,ایسا شعری آہنگ بنانا ہے جو عام آدمی کے مزاج کے مطابق ہو اور اس کی توجہ بٹورنے کی صلاحیت رکھتا ہو,جو متوسط طبقے کی دانش اور اس کے روزمرہ کی معاشرتی زندگی کے مختلف تمثال کا پیش کار ہو لسانی تشکیلات اور افتخار جالب زبان کو پیچیدہ سیاسی نفسیاتی صورت حال کا نمائندہ بنانا چاہتے ہیں ان کے نزدیک جو سیاسی,سماجی پیچیدگی اور اجنبیت نئی زندگی کے مختلف مظاہر کا حصہ ہے وہی تخلیقی متون کا لازمہ ہونی چاہیے ان شعرا کے ہاں زندگی اپنی تمام تر بدشکلی اور بے وضعی کے ساتھ دکھائی دیتی ہے ان کے ہاں حیات انسانی کا کرب اور وجود کے عذاب سے دوچار انسان, اپنے ماحول کی نا آسودگی,بیزاری,بغاوت,فرار,قدیم تہذیبی عوامل کی قبولیت سے انکار اور جسم و جبلت کی اہمیت پر اصرار شامل ہے۔اس حوالے سے انیس ناگی لکھتے ہیں:

> "پچھلی نسلوں کے پاس زبان کی تشکیل کا کوئی باقاعدہ تصور نہیں تھا انہوں نے مروجہ لسانی حرمتوں کی قبولیت پر اکتفا کیا نئے شعرا کے لیے زبان ایک زندہ تجربہ ہے الفاظ ادراک کا ذریعہ نہیں بلکہ ان کی مخصوص ترتیب تجربے کی تخلیق ہے,تجربہ الفاظ سے باہر نہیں بلکہ الفاظ کے اندر ہے زبان کی حقیقت کو جاننے اور تجربے کی تخلیق کا ایک استعارہ ہے"۔(4)

نئی شاعری کے نمائندہ ان لسانی تشکیلات کے حامی شعرا نے اپنی نظم کی تخلیق میں ان رموز کو بنیاد بنایا جو بیسویں صدی کے انسان کا مسئلہ ہیں,ان شعرا نے نئی نظم تخلیق کرتے ہوئے ٹکڑوں میں بٹے ہوئے مہذب انسان اور اس کی شخصیت کے معاملات کو موضوع سخن بنایا ہے ان کا خیال تھا کہ مروج شعری زبان اس قابل نہیں کہ ان کے شعری تجربے کے اظہار کا وسیلہ بن سکے اسی وجہ سے یہ نئی نظم کے لیے نئی زبان کی اختراع کو لازمی گردانتے ہیں۔ نئی نظم کے حوالے سے جیلانی کامران لکھتے ہیں:

> "نئی نظم کے شاعر کی ذمہ داریاں پہلے شاعروں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں صوفی شاعر اپنی روح کے بچاؤ کی ذمہ داری لیتے ہیں حالی کی ذمہ داری مسلمانوں کی حالت زار کو بیان کرنے کی تھی۔اقبال نشاۃ الثانیہ کے اعلان میں مصروف تھے ترقی پسند شاعر صحت مند معاشرہ قائم کرنے کی ذمہ داری لیتے تھے ان سب کے برعکس نئی نظم کا شاعر زمین پر جسم کے بچاؤ کی ذمہ داری لیتا ہے"۔(5)

گویا لسانی تشکیلات کا ہدف نئی پیچیدہ زندگی میں انسان کی بقاء کا تخلیقی سرنامہ تیار کرنا ہے لسانی تشکیلات کے برعکس تمثال کار شعرا کی تحریک محض فرد کی نہیں بلکہ سماجی تفاعل کی مجموعی صورت حال کو بیان کرنے کا تقاضا کرتی ہے ایذرا پاؤنڈ اور اس کے ساتھی شعرا کی تحریک کی طرف سے پیش کردہ مینی فیسٹو کے حوالے سے ڈاکٹر عمران ازفر لکھتے ہیں:

"اس مینی فیسٹو میں شاعر کو موضوع کے انتخاب، اظہار کے لیے آہنگ کی تعمیر و تشکیل، زبان کے انتخاب کا راستہ, شعری تخلیق میں حقیقی رویے کا فروغ, ابہام سے اجتناب جیسے اہم اور ضروری نکات کے متعلق بتایا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس مینی فیسٹو کے بیان کردہ اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں:

1 ۔موضوعات کا آزادانہ انتخاب اور براہ راست اظہار

2 ۔نئے موڈ کے اظہار کے لیے نئے آہنگ کی تشکیل

3 ۔عام بول چال کی زبان سے مناسب ترین الفاظ کا استعمال

4 ۔شعری تمثال کا استعمال, ابہام سے گریز

5 ۔شعری تخلیق میں غیر یقینی رویہ اختیار کرنے سے گریز

6 ۔ارتکاز اور عضویاتی آہنگ کا درست اور لازمی استعمال"(6)

تمثال کاری کی تحریک خاص طرح کی سادگی اور پرکاری کا مرکب ہے اس کی رو سے شاعر کو اپنی شعری بوطیقا میں ادق الفاظ سے گریز کرنا چاہیے اور اپنی شاعری میں آہنگ کی وہ لے ترتیب دینی چاہیے جو متوسط طبقے کے انسان کے مزاج سے ہم آہنگ ہو تمثال کار شعرا کی تحریک کے نکات واضح اور صاف ہیں ایک خیال یہ ہے کہ اردو میں نئی نظم / لسانی تشکیلات کی تحریک اسی تمثال کار شعرا کی تحریک سے متاثرہ ہے اس حوالے سے صفدر میر کی رائے دیکھیں:

> "اس صدی کے شروع سے یورپ کی شاعری میں کئی تحریکیں ابھری ہیں فیوچرازم امیجزم اور سورئیلزم وغیرہیہ سب شعری تحریکیں انیسویں صدی کے آخری نصف کی عظیم تحریک سمبلزم کے خلاف ایک طرح سے جہاد تھیں لیکن ساتھ ساتھ ان کے طور طریقے سمبلسٹ شاعروں بادیئر میلارمے اور رامبو وغیرہ سے مستعار تھے سب سے زیادہ زور اس زمانے کی شاعری میں تصویری پیکروں پر دیا جاتا تھا بلکہ شاعری کو محض تصویری پیکروں کے اظہار کا ذریعہ بھی بتایا جاتا تھا یہ رجحان دراصل انیسویں صدی کی عقلیت پرستی کے خلاف

بغاوت کا رجحان تھا۔ تصویری پیکروں پر زور دے کر ان باغیوں نے اپنے زمانے سے ہم آہنگی تو حاصل کر لی لیکن بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ ہر امیج یا پیکر بذات خود تنہا نہیں ہوتا بلکہ ایک بڑے نقش کا حصہ ہوتا ہے۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔مختلف تہذیبوں کی شاعری میں یہ موضوع کارفرما رہا اور آج بھی یہی موضوع سخن ہے"۔(7)

بیسویں صدی کی مختلف شعری تحریکوں کے اثرات اردو میں نئی نظم کی تحریک میں جابجا دکھائی دیتے ہیں مگر یہ بیان حقیقی سطح پر درست نہیں ہے کیونکہ افتخار جالب نہ تو شعری عمل میں تمثال کی ضرورت و اہمیت ہر ڈسکورس قائم کرتے ہیں اور نہ ہی نئے شاعر سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اپنی شعری دنیا کو رنگ برنگ تمثال سے سجائے بلکہ افتخار جالب مروج زبان کی کمزوری کا اعلان کرتے ہوئے شاعری کی زبان میں بدلاؤ لانا چاہتے ہیں اس کے ساتھ تمثال کار شعرا کی تحریک شعری عمل میں شاعرانہ بحروں اور آہنگ کی تشکیل کو مرکزی اہمیت دیتے ہیں اور انہیں قاری کے مزاج سے ہم آہنگ چاہتے ہیں جبکہ افتخار جالب کا تقاضا ہے کہ شاعر ایسی زبان استعمال کرتے جو معاصر عہد کے جبر، یاسیت لاقانونیت، ابتذال کی نمائندہ ہو جس سے ہمکلام ہو کر قاری وہ بدمزگی محسوس کرے جو اس زندگی کا خاصہ ہے وہ اس ذلت، تذلیل اور بے توقیری کو محسوس کرے جس کا سامنا وہ معاشرتی تفاعل میں بارہا کرتا ہے۔

ایذرا کا خیال ہے کہ برطانوی شعرا رومان پرستی اور درباری عیش و عشرت میں ایسے گم ہیں کہ انہیں متوسط طبقے کی زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہے وہ اس حد تک امراء کے طبقے سے وابستہ ہیں کہ ان کی زبان متوسط طبقے کی زبان سے برعکس اور ان کے شعری علائم اشرافیہ کی عیش پرست زندگی سے ہم آہنگ ہیں جبکہ ان شعرا کا پسندیدہ آہنگ اور موسیقی بھی عام آدمی کے فہم کی بجائے اشرافیہ کے ذوق کی تسکین کا باعث ہے یہی وجہ ہے کہ نئی نظم کے شعرا کو ایسی شاعری کرنی ہے جو عام آدمی کی زندگی اور اس کے روزمرہ کے عین مطابق ہو۔ اس باب میں پروفیسر عنوان چشتی لکھتے ہیں:

"پیکر کا پہلا مفہوم نفسیات اور دوسرا ادب سے قریب تر ہے لیکن پیکر کی جامع تعریف ان دونوں تصورات کے امتزاج کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔ نفسیاتی پیکر مادی ادراک کی تخلیق جدید ہے جو جذباتی لمحات میں ذہن میں ابھرتا ہے"(8)

لسانی تشکیلات کی تحریک فلسفیانہ مباحث پر استوار ہے تو تمثال کاری کی تحریک متوسط طبقے کی معاشرت اور ادب کے باہمی تال میل سے بنتی صورت کی غماز ہے مگر اہم بات یہ ہے کہ تمثال کاری کی تحریک کے سامنے یورپی شاعری، سیاسی سماجی صورت حال، دوسری جنگ عظیم کے اثرات کے تحت تشکیل پذیر سوسائٹی سمیت انسان اور انسانی مسائل ہیں جبکہ لسانی تشکیلات میں ایک طرح کا غصہ اور اپنے پیشرو شعرا سے اختلاف کی صورت پائی جاتی ہے جس کے سبب سے اس تحریک کا لائحہ عمل واضح اور دوٹوک دکھائی نہیں دیتا افتخار جالب کے مضمون کو سامنے رکھ کر یہ لائحہ عمل ترتیب دیا جائے تو کچھ یوں ہو گا۔

1 ۔لسانی تشکیلات اساسی طور پر شعر وادب کی نیابت کرتی ہے۔ گویا لسانی تشکیلات شعر وادب کی قائم مقام یا سفیر ہے؟

2 ۔لسانی تشکیلات اشیاء اور زبان کے تمام ذرائع کو باہم ضم کرنے کا وسیلہ ہے۔

3 ۔لسانی تشکیلات نئے اور عظیم منصوبوں کی تلاش میں مگن رہتی ہے۔

4 ۔لسانی تشکیلات لفظ کو شئے کا درجہ دیتی ہے۔

5 ۔لسان تشکیلات پرانی اور بنی بنائی زبان کو رد کرتی ہے

6 ۔لسانی تشکیلات موجود پر نئے پن کو ترجیح دیتی ہے

7 ۔لسانی تشکیلات نہ موضوع ہے اور نہ صیغہ اظہار بلکہ ان سے ماورا کلی صداقت ہے

8 ۔لسانی تشکیلات الفاظ کو اشیاء کے نمائندہ کے طور پر ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔

9 ۔لسانی تشکیلات میں روزمرہ کی رزالت کو شعری پیرائے میں من و عن بیان کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا نکات سے لسانی تشکیلات کا جو منظر نامہ تشکیل پاتا ہے اس میں حقیقت پسندی کم اور جذباتیت زیادہ ہے یہاں زبان کو انسانی حیات اور اس کے متفرق عوامل پر فوقیت دی گئی ہے تمثال کاری کی تحریک میں انسان اور انسانی سماج کی اولیت و برتری کو تسلیم کیا جاتا ہے جبکہ لسانی تشکیلات میں زبان کو خود چسر بنانے کی سعی دکھائی دیتی ہے۔لسانی تشکیلات کے حوالے سے انیس ناگی لکھتے ہیں:

" نئی شاعری کی دریافت اور افہام کے لیے متناقض رویوں کی گونا گونی کی۔ بنیاد پر ایک غلط ذہنی مفروضہ ہے کہ نئی شاعری کے نقاد اپنے ذہنی رویے کو بدلنے کی بجائے اسے مروجہ شعری معیاروں سے جانچنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے نتیجے کے طور پر وضاحت کی بجائے دھندلکا پھیل رہا ہے نئی شاعری کا فکریاتی اور فنی لب ولہجہ ایک غیر جانبدار توضیح چاہتا ہے لیکن یہ تب ہی ممکن ہے اگر نئی شاعری کی معنویت کو حال کے ذہنی محل میں سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آج کی منظومات کے چہرے راشد کی نسل سے مختلف دکھائی دیتے ہیں۔راشد کی نسل کی شاعری اور 1958ء سے بعد کی شاعری میں لب ولہجہ کا اختلاف اس بنیادی تصوراتی تغیر کا مظہر ہے جس نے غیر مرئی طور پر ہمیں ایک نئے ذہنی محسن کے روبرو کیا ہے"(9)

لسانی تشکیلات کی تحریک کے زیر اثر مصنفین نے اردو شعر وادب میں ماضی کے لسانی مزاج کو تشکیک زدہ کیا اور شعری زبان میں نئے آفاق کی ترتیب کا تقاضا کیا افتخار جالب کا خیال تھا کہ اردو کی مروج ادبی زبان میں انسانی مسائل کی جدید صورتوں کو بیان کرنے کی صلاحیت نہیں ہے جس کی وجہ

سے شاعری میں ابہام پیدا ہوتا ہے جو شاعری اور عوام کے درمیان بتدریج فاصلے کی وجہ بن رہی ہے ان کے مطابق ماضی اور ناسٹلیجائی فضا اور اس سے جڑی تمام روایات اب اضافی اور غیر متعلقہ ہو چکی ہیں جس کی وجہ سے شعری متون میں لغوی اور اصطلاحی معنی میں تفریق کی سرحد روز بروز کشادہ ہوتی جارہی ہے افتخار جالب لسانی تشکیلات کی اس تحریک کے توسل سے شعری متون میں رائج لغوی اور کشافی معنی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے ہیں وہ کلاسیکی اردو شاعری کے لسانیاتی جمالیاتی اور اظہاری لہجے پر اعتراض کرنے کے علاوہ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ہونے والی تخلیقات میں مستعمل شعری زبان پر بھی سخت نقد سے کام لیتے ہیں کہ ان کے نزدیک ان شعری متون کی ترکیب نحوی "درہم برہم" ہے اس سارے ڈسکورس کے تحت افتخار جالب نئی شعری بوطیقا ترتیب دینا چاہتے ہیں وہ معنی میں معنی کی تلاش کرتے ہیں زنگ آلود افکار، فرسودہ تراکیب، رموز، پامال شعری لغت، بدبودار تشبیہات اور استعارات کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اردو شاعری کی ساری عمارت رومانیت کے حصار میں ہے جس کی وجہ سے ہر شعری متن خون میں لے پت خنجر، لاشیں اور آسیب زدہ جنسی شہوت کی نشاندہی کرتا ہے

افتخار جالب کا المیہ یہ تھا کہ ان کے معاصر تخلیق کار ان کے ڈسکورس میں موجود امکانات کی ایک وسیع دنیا کو سمجھنے سے قاصر رہے یا پھر اس عدم اعتماد کی ایک بڑی وجہ خود افتخار جالب کے شعری متون ہیں جن کے توسل سے وہ اپنی ادبی سوچ بچار کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں سے چند مصرعے ملاحظہ کریں:

خواہش کی جھلجھلاہٹ کا لاوالا

عامتہ الناس خال وخوں کے مجاہدے سے گزر چکے ہیں

بدن میں رقصاں قرمز شفق سے راہیں کہ امن آزادی آشتی کا ہجوم

مجبور کے ارادے کو استقامت کی آب، تلقین سے منور کرے

نگاہوں کے روبرو

پھیل کر نکھرتی چلی گئی

چہار جانب گلاب، عصمت، اصول، سچائی

پتی پتہ نے جبر تاریک سرزمیں ڈھانپ لی ہے۔

"گفتگو کو پرونے والی کنواری آواز"

زباں مقفل بیاں مدلل کنارہ کش زہر لفظ تعبیر کی زمین توبہ ڈھونڈتا ہوں اگر کہو ذات پھول مشکوۃ ذرے ذرے جس دست کش راز گم شدہ ہے، میں خاموشی کا دروازہ کھٹکھٹاوں گا۔

ان نظموں کے علاوہ افتخار جالب نے چیخ ادھوری عقوبت چھینتی، چومتا پانی، پانی پانی، لازمرد چمکتا اغلاق، مصدریت شگفتن افشردن، نفیس لا مرکزیت اظہار، سیری برم بلاے برم، ایک چھچھلتا لمس ایسی نظمیں لکھیں افتخار جالب کی نمائندہ نظم "قدیم بنجر" ہیتی ترکیب میں تمثال کار شعرا کے پیکر سے متاثرہ ہے جس میں نظم کو نثر کے سے انداز اور پیرائے میں لکھا جاتا ہے اس نظم کا موضوع 60 اور 70 کی دہائی کا پاکستان ہے جس میں روز وشب بدلتے سیاسی حالات نے زندگی کے متفرق دھاروں پر کئی طرح کے اچھے برے اثرات مرتب کیے شاعر نظم میں غیر روایتی لغت، ادق زبان، کھڑاؤں بحروں کے برتاؤ سے معاشرے کی غیر روایتی صورت حال، مشکل پیچیدہ سیاسی حالات اور بے ڈھنگی انسانی زندگی کو تخلیق کرتا ہے مگر یہ حقیقت اس سے بھی بڑی ہے کہ اردو شاعری کے قاری / سامع کی تربیت فارسی شعر و ادب کی خاص فضاء میں ہوئی ہے جس کے لوازمات میں موسیقیت، نرمی، گداز، حلاوت، شیرینی اور خاص طرح کی احساسی مسرت شامل ہوتی ہے اردو شاعری کا قاری / سامع ان لوازمات سے برعکس اصولوں پر تعمیر شاعری کے ساتھ رشتہ قائم نہیں کر سکتا یہی وہ بڑی وجہ تھی جس کے سبب سے نئی نظم کی تحریک ناکام ہوئی اس تحریک کی کامیابی کے حوالے سے عابد منٹو لکھتے ہیں:

> "نئی نسل کا شاعر نئی زبان نئی علامتوں کی تلاش میں نکل پڑا۔ نئی زبان نئی علامتوں کی تلاش کا کام اس کام سے جڑا ہوا تھا کہ پہلے شاعر اپنے آپ کو تلاش کرتا اور یہ معلوم کرتا کہ اس کی تہذیبی جڑیں کہاں پیوستہ ہیں" (10)

لسانی تشکیلات سے وابستہ نئی شاعری کے خالق شعرا کا حقیقی کارنامہ شعری تخلیق میں اظہار کے قرینے جو ادراک اور اسلوب سے منسلک کرنا ہے اس شاعری میں لفظ کو تجربے کی بنیاد پر نئے رنگ میں پیش کیا گیا اس طرح پہلے سے مروج معنوی ڈھانچوں کو بروئے کار لانے کی بجائے نئی علامات، تشبیہات اور تلازمات کو خلق کیا گیا جیسا کہ اوپر افتخار جالب کی نظموں کے کچھ متون سے واضح کیا گیا ہے ان شعرا نے لفظ کو معنی کا پیش کار ہونے کی بجائے بذات کل شئے اور شئے کی معنویت کا لباس پہنایا شعری زبان میں نئی شاعری کے پیش کاروں نے صرف ونحو، عروضی ترکیب اور موسیقی کے نظام کو بھی نئے سرے سے تخلیق کرنے کی سعی کی ان نظموں میں مصرعوں کی کی شناخت صرفی، نحوی اور عروضی ترکیب کی بجائے نفسیاتی اور اسلوبیاتی بنیاد پر مرتب کی جاتی ہے اس نئے لسانی پیرائے نے اس شاعری کے محاورے کا نیا باطن وضع کیا۔

افتخار جالب کے نظریات پر تمثال کاری کی تحریک سے مماثلت کا تاثر دیا جاتا ہے مگر جیسا کہ اوپری مثالوں سے بی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ دونوں ادبی پیراڈائم اپنی اپنی جگہ پر مختلف نوعیت کے ہیں اور دونوں کی ادبی فکر الگ راہ رکھتی ہے تمثال کار شعرا کلاسیکی شاعری پر یہ اعتراض

کرتے ہیں کہ وہ حال کے نئے سیاسی منظر نامے کو اپنی نگاہ میں نہیں رکھتی اور اس تحریک کی کامیابی کا سب سے بڑا نشان ٹی ایس ایلیٹ کی نظم "جہان خراب" ہے جو ایلیٹ نے ایذرا پاؤنڈ کے افکار سے متاثر ہو کر لکھی یہ بھی حقیقت ہے کہ ایلیٹ تمثال کاری کی تحریک کے سرگرم رکن رہے اور اس تحریک کے زیر اثر انہوں نے خاصا اہم کام کیا۔ ایلیٹ نے اپنی مشہور زمانہ نظم "جہان خراب The Waste Land " تمثال کاری کی تحریک میں شمولیت کے بعد 1922 میں لکھی(11)اس سے پہلے ایذرا پاؤنڈ کے نظریات سے متاثرہ اور ان کے ساتھی ٹی ای ہیوم نے "شہر میں شام The city Sunset, " تمثال کاری کی تحریک کے زمانہ 1908 میں تخلیق کیناقدین کا خیال ہے کہ ہیوم کی یہ نظم نئی انگریزی شاعری کا نکتہ آغاز ہے(12)کہ اس تحریک نے انگریزی نظم کے لیے ایک بالکل نئے راستے کا انتخاب کیا جو مستقبل کے لیے اہم ثابت ہوا۔

تمثال کاری کی تحریک کے نمائندہ شعرا ایمی لاول Amy Lowell,ٹی ایس ایلیٹ T.S. Eliot,ایف ایس فلنٹ F.S. Flint, ہلڈا ڈولٹل Hilda Doolittle,جیمز جوائس James Joyce, ولیم کارلوس ولیمز William Carlos Williams, جان گلوڈ فلیچر John Gould Fletcherاور فورڈ میڈوکس Ford Madox محض اس تحریک کے بنیاد گزار ہی نہیں تھے بلکہ انہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے اپنے موقف کو مضبوط بنایا۔

ہمارے ہاں عموما یہ خیال کیا جاتا ہے کہ لسانی تشکیلات کی تحریک کے روح رواں افتخار جالب اور ان کے رفقاء نے تمثال کاری کی تحریک سے اثرات قبول کرتے ہوئے اردو شعر و ادب پر نقد کا اہتمام کیا ادبی دنیا میں مختلف مکاتیب فکر کے درمیان جزوی اشتراک و مماثلت فطری عمل ہے مگر یہ بات طے ہے کہ افتخار جالب، غلام جیلانی کامران، فہیم جوزی، سعادت سعید، عبدالرشید اور دیگر شعرا کی طرف سے پیش کردہ لسانی تشکیلات کی تحریک اپنی فکریاتی تشکیل میں آزاد اور خود مختار ہے جس کا کسی دوسری تحریک سے کوئی رابطہ نہیں ہے بعین یہ بھی حقیقت ہے کہ تمثال کاری کی تحریک کے برعکس لسانی تشکیلات کی تحریک کے نمائندگان نہ تو خود کوئی بڑا ادب تخلیق کر سکے ہیں اور نہ ہی تحریک کے زیر اثر کوئی بڑا ادب، شاعری، فکشن، تنقید کی صورت میں سامنے آیا ہے شاید یہی سبب ہے کہ اس تحریک سے منسلک تمام نمائندہ ادیب جلد ہی اس سے کنارہ کش ہو گئے اور یوں یہ تحریک اپنی موت آپ مر گئی اس کے برعکس تمثال کاری کی تحریک آج بھی انگریزی ادب میں زندہ ہے جس کے زیر اثر آج بھی تخلیق کار اپنی تخلیقی صلاحیت کے جوہر کو نکھار کر نئی صورت میں سامنے لاتے رہتے ہیں۔

گزشتہ نصف صدی سے اردو کا المیہ یہی ہے کہ یہاں پر کسی فکری تحریک کو تخلیقی مواد میسر نہیں ہوا۔ ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق کے بعد جس قدر بھی ادبی تحریکیں منظر عام پر آئیں وہ جلد یا بدیر اختتام پذیر ہو گئیں کہ ان کے پاس تخلیقی سرمائے کی صورت جواز موجود نہیں تھا وہ خواہ لسانی تشکیلات کی تحریک ہو، اسلامی ادب کی تحریک ہو، اینٹی غزل کی تحریک ہو، پاکستانی ادب کی تحریک ہو یا نظم نثریہ کی تحریک ہو سب کے پاس نظری دوائر کی صورت، کلامیہ دلائل کی صورت تو کہنے کو بہت کچھ ہے مگر تخلیقی دست خط کے طور پر پیش کرنے کو کوئی مواد نہیں ہے جیسا کہ ناول کی ابتدا میں بڑے ناول لکھے گئے، افسانے کے آغاز میں ہی بڑے افسانے منظر عام پر آئے، آزاد نظم کے ساتھ لافانی آزاد نظمیں منظر عام پر آئیں۔

حوالہ جات

1۔ محمد ہادی حسین، مغربی شعریات، مجلس ترقی اردو، لاہور، طبع سوئم 2010ء، ص318-319

2۔ افتخار جالب، لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، فکشن ہاؤس، 2001ء، ص15

3۔ وارث سرہندی، علمی اردو لغت، علمی کتاب خانہ، لاہور، س ن، ص318

4۔ انیس ناگی، "نئی شاعری کیا ہے، "مضمون مشمولہ "نئی قدریں"، حیدر آباد، فکر جدید نمبر، 1966ء، ص167

5۔ جیلانی کامران, "نئی نظم کے تقاضے"، لاہور، مکتبہ عالیہ، 1958ء، ص29

6۔ عمران ازفر، نئی اردو نظم نئی تخلیقی جہت، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2013ء، ص31-32

7۔ صفدر میر, بیابان جنون، مشمولہ نئی شاعری، مرتبہ افتخار جالب، نئی مطبوعات، لاہور، 1966ء، ص12-13

8۔ عنوان چشتی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں جدیدیت کی روایت، دہلی، 1977ء، ص246

9۔ انیس ناگی، نئی شاعری کا منصوبہ، مشمولہ نئی شاعری، مرتب افتخار جالب، نئی مطبوعات، لاہور، 1966ء، ص47

10۔ عابد منٹو، نئی شاعری کا منصوبہ، مشمولہ نئی شاعری، مرتب افتخار جالب، نئی مطبوعات، لاہور، 1966ء، ص235-236

11۔https://www.google.com/url?sa=t&source=web&rct=j&url=https://www.britannica.com/biography/T-S-Eliot&ved=2ahUKEwiZ2۔n57er2AhVFhRoKHdNxBrMQFnoFCJcBEAE&usg=AOvVaw0PBFf3HzfxK5VSUdvxFibk

12۔https://www.google.com/url?sa=t&source=web&rct=j&url=https://interestingliterature.com/2013/08/t-e-hulme-the-first-modern-poet/amp/&ved=2ahUKEwi16c۔Q7ur2AhUkzIUKHaTZAbIQFnoECA8QAQ&usg=AOvVaw34pohtc۔g3a3US50XdHuaH